شریعتی معتقد است که بر مبنای اندیشه های اقبال انسان ، بشریت اعتلا یافته ، باید دلی چون عیسی ، اندیشه‌ای چون سقراط و دستی مانند قیصر داشته باشد و این تجسم خود اقبال ، شخصیت خود او ست .

سخن را با چند عبارت دیگر علی شریعتی به پایان می رسانم[۱] :

اقبال می‌گوید زمانه یعنی سرنوشت و سرگذشت انسان ، زندگی انسان ، خود انسان (موج) است یک (ساحل افتاده) نیست و وجودش و بودنش در حرکت کردن است .

و این در موقعی است که شریعتی از اقبال صوفی سخن می گوید صوفی که بجای زمانه با تو نسازد تو با زمانه بساز ، معتقد بود ، زمانه با تو نسازد تو با زمانه ستیز ! انسان در عرفان اقبال که نه تصوف هندی است و نه فاناتیسم مذهبی بلکه (عرفان قرآنی) است زمان را باید عوض کند .

۱- علی شریعتی ، همان کتاب ص ، ۱۷

ڈاکٹر سید عبداللہ*

ترک عالم طاش کپری زادہ کے تعلیمی تصورات

طریقۂ تعلیم کی تاریخ میں دو ترک عالموں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا - ان میں ایک اہم شخصیت حاجی خلیفہ (صاحب کشف الظنون) کی ہے جن کی اصل حیثیت ایک فہرست ساز عالم کی ہے، دوسرے اہم شخص طاش کپری زادہ ترک مصنف ہیں - طاش کپری زادہ (م ۹۶۸ھ/۱۵۶۱ء) کی کتاب مفتاح السعادة و مصباح السیادة علوم اسلامی کی تاریخ ہے جس کے مقدمے میں تعلیم و تعلم کے اصولوں اور طریقوں کا فاضلانہ و ماہرانہ تجزیہ کیا گیا ہے - طاش کپری زادہ کے مختصر حالات زندگی یہ ہیں :

احمد بن مصطفیٰ بن خلیل، ابوالخیر عصام الدین المعروف بہ طاش کپری زادہ، مشہور مؤرخ اور سوانح نویس ۹۰۱ھ/۱۴۹۵ء کو برسہ میں پیدا ہوا - ابتدائی تعلیم انقرہ اور برسہ میں اپنے والد کی نگرانی میں حاصل کی پھر استانبول میں تحصیل علوم کی- دیمتوقہ سے ۹۳۱ھ/۱۵۲۵ء میں تدریس کا آغاز کیا - ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء میں وہ استانبول پھر ۹۳۶ھ/۱۵۳۰ء میں اسکوب چلے گئے - پانچ سال بعد وہ دوبارہ مدرس ہو کر استانبول آئے - ۹۴۵ھ/۱۵۳۹ھ کو ان کا تبادلہ ادرنہ میں ہوگیا لیکن اس سال نگران کی حیثیت سے دوبارہ استانبول آ گئے - کچھ عرصہ ادرنہ میں بطور مدرس کام کیا بعد ازاں برسہ کے قاضی بنائے گئے- لیکن جلد ہی دوبارہ مدرس کے عہدے پر واپس آ گئے- ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء کو وہ استانبول کے قاضی بنائے گئے- انھوں نے رجب ۹۶۸ھ/اپریل ۱۵۶۱ءکو وفات پائی اور مسجد خانقاہ عاشق پاشا میں مدفون ہوئے- انھوں نے عربی زبان میں علوم و فنون کی ایک قاموس لکھی (مفتاح السعادة) جس کا ان کے بیٹے کمال الدین محمد نے ترکی زبان میں ترجمہ کیا- یہ کتاب استانبول میں موضوعات العلوم کے نام ۱۳۱۳ء میں طبع ہو چکی ہے- ان کی دوسری تصانیف میں سب سے اہم ان کی کتاب الشقائق النعمانیہ ہے جس میں پانچ سو بائیس علماء اور مشائخ طریقت کے سوانح درج ہیں- اس کتاب کو دس عثمانی سلاطین (عثمان تا سلیمان) کے ادوار حکومت کے مطابق دس طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے- یہ کتاب ۹۶۵ھ/۱۵۵۸ءمیں مکمل ہوئی اور

---

*پروفیسر ایمریطس و صدر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی -

اس دور کے فکری ارتقاء کی تاریخ کا سب سے بڑا مأخذ ہے ۔ اصل کتاب عربی میں تھی ترکی ترجمہ کئی بار طبع ہوا ۔

مصنف کی ایک اور شاہکار کتاب علوم و فنون کی قاموس مفتاح السعادۃ و مصباح السیادہ ہے ۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے ۔ جلد اول ۵۵ھ ، جلد دوم ۲۹ھ جلد سوم ۵۳ھ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی دو جلدوں میں علوم ظاہریہ کا بیان ہے اور آخری جلد میں باطنیہ کا ذکر ہے، پہلے دو حصوں میں۳۱۶ ظاہری علوم کا تذکرہ ہے۔ ان میں دینی و غیر دینی ، نقلی اور عقلی ہر طرح کے علوم شامل ہیں ۔ مصنف نے ہر علم کے بیان کے ساتھ ہر جگہ یہ التزام کیا ہے کہ اس علم سے متعلق بنیادی معلومات درج کی جائیں مثلاً یہ کہ اس علم کے ماہرین کون کون سے گزرے ہیں اور اس علم میں کون کون سی کتب تصنیف کی گئیں ۔ اس طرح بعض اوقات ایک علم کی تفصیل میں کئی کئی صفحات مسلسل لکھے گئے ہیں ۔ اس اسلوب بیان سے قاری پوری طرح مستفید ہوتا ہے ۔ جلد سوم میں علوم باطنیہ کا تذکرہ ہے جس سے چار شعبے : عبادات ، عادات ، مہلکات ، منجیات کیے گئے اور ہر ایک کے تحت بہت سی معلومات درج کی ہیں ۔ اس طرح یہ کتاب علوم و فنون کی ایک مبسوط روداد ہے ۔

مفتاح السعادۃ میں علم ، —— تعلیم اور تعلم کے جو اصول بیان ہوئے ہیں اس مقالے میں ان کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے ۔ طاش کپری زادہ کے نزدیک تمام علوم اسلامی کا منبع قرآن مجید ہے ۔

تمہید کے بعد فضیلۃ العلم بیان کی ہے اور اس کے فوراً بعد فضیلۃ التعلم اور فضیلۃ التعلیم کی بحث کرتے ہوئے نقلی و عقلی دلائل دیے ہیں۔ علم کے دینی و دنیوی فوائد بیان کیے ہیں ۔ تعلم کی فضیلۃ کے بارے میں آیات قرآنی ، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی احادیث اور صحابہ و اکابر دیگر کے اقوال نقل کیے ہیں جو اور کتابوں میں بھی مل سکتے ہیں ۔ اس طرح تعلیم کی فضیلت کا بیان ہے اور آیات قرآنی ، احادیث اور آثار صحابہ نقل کیے ہیں ۔ (مفتاح السعادۃ ، ج ۱ ، ص ۹ و ۱۰ ، طبع حیدر آباد دکن) لیکن یہ بحثیں رسمی ہیں اور تقریباً ہر تعلیمی کتاب میں مل جاتی ہیں ۔ ہمارے لیے مفتاح کے اہم مباحث وہ ہیں جن کا تعلق ان کے اپنے زمانے کے نظریات و تجربات تعلیمی سے ہے ۔ طاش کپری زادہ جس دور میں علوم اور تعلیم کی تاریخ لکھ رہے ہیں وہ منظم مدارس کا دور اور روایات تعلیمی کے شباب کا زمانہ ہے ۔ لیکن روایت کی عام باتیں بھی اس کتاب کے مقدمے میں موجود ہیں مثلاً مصنف نے لکھا ہے کہ متعلم بننے کے لیے کئی اوصاف و شرائط ضروری ہیں ۔ ایک شرط یہ ہے

کہ متعلم ایسے درجۂ عمر میں ہو جس میں تحصیل قدرتی طور سے آسان ہوتی ہے - یہ لڑکپن اور شباب کا زمانہ ہے۔ اس میں طالب العلم فارغ القلب اور امور معاش کی الجھنوں سے آزاد ہوتا ہے ، اسے صحیح المزاج ہونا چاہیے تاکہ سچی لگن سے علم حاصل کر سکے ، اور کسی اور شے کو علم پر ترجیح نہ دے - طاش کبری زادہ کا یہ نکتہ دراصل درجۂ عمر کی نفسیاتی حقیقتوں اور بچوں کے احوال نفس سے متعلق ہے- مصنف نے بچوں کی ذہنی ساخت اور میلانات اوائل عمر کا خاص خیال رکھا ہے اور اس درجے کو اخلاق کردار کی تعمیر کا دور اول کہا ہے - طاش کبری زادہ کے نزدیک تعلیم کا ایک مقصد تعمیر کردار ہے -

اس کے نزدیک متعلم کی اخلاقیت مکمل ہونی چاہیے تاکہ وہ سچائی کی فضیلت حاصل کر سکے مکروریا سے پاک ہو جائے ، طبیعت میں خلوص اور انصاف آ جائے اور دین دار بن جائے - لالچی نہ ہو ، کج خلق نہ ہو ، رحم دل ہو ، ڈرپوک نہ ہو اور زراندوزی کی عادت سے پاک رہے -

طاش کبری زادہ نے بعض دوسرے ماہرین تعلیم کی طرح متعلم کے لازمی اوصاف بھی بیان کیے ہیں - لیکن اس کے بیان میں دو نکتے ایسے ہیں جو قابل توجہ ہیں :

ایک تو یہ نکتہ کہ متعلم کو زندگی اور تعلیم کے اپنے زمانے کے مروجہ طور طریقوں کو اپنانا چاہیے تاکہ اس کی تعلیم اپنے زمانے کے مزاج اور ضرورتوں کو سمجھنے اور سمجھانے میں مددگار ثابت ہو - مصنف کے الفاظ یہ ہیں :

''ویوافق للجمهور فی الرسم والعادات المستعملة عند اهل الزمان''

مصنف نے اس نکتے کی وضاحت نہیں کی لیکن زندگی اور تعلیم میں وقت اور زمانے کے مزاج کو سمجھنے کا اصول واضح ہے - ہمارے معاصر ماہرین تعلیم کو بھی اس اصول پر خاص توجہ کرنی چاہیے اور تعلیم میں دینی ذہن کو پختہ کر دینے کے بعد ، تعلیمی رسوم و عادات مستعملہ وقت کو اپنانا چاہیے -

طاش کبری زادہ کا دوسرا نکتہ مقصد تعلیم سے متعلق ہے :

مصنف کہتا ہے کہ طالب علم کو (قدرتی طور پر عام زندگی میں نیز مراحل تحصیل علم میں) موت سے نہیں ڈرنا چاہیے- یہ تعلیمی اور علمی تجربوں میں ثابت قدمی اولوالعزمی کا سبق ہے - دراصل یہ تلقین بچوں میں Initiative پیدا کرنے اور Adventure کی ترغیب کے لیے ہے - الزرنوجی نے بھی کہا تھا کہ تعلیم روپیہ جمع کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ برائے علم ہو - طاش کبری زادہ نے بھی یہی لکھا ہے :

''لا جامعاً للمال الا بقدر الحاجة فان الاشتغال بطلب الاسباب المعیشیة مانع عن التعلم'' -

مصنف نے وظائف تعلیم میں تزکیہ نفس پر بہت زور دیا ہے ۔ اس کے نزدیک تعلیم ایسی ہونی چاہیے جس سے قلوب کی تطہیر ہوتی ہو۔ خیر یہ بات اسلامی تعلیمی ادب میں عام ہے لیکن طاش کپری زادہ نے ایک اور اہم نکتے کا اضافہ کیا ہے جو قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی متعلم کو تعلیم میں داخل کرنے سے پہلے اس کا تجزیۂ نفس ہونا چاہیے ۔ اور یہ اس امر کے لیے کہ اپنی نفسی حالت کے اعتبار سے ، متعلم تعلیم کے قابل ہے بھی یا نہیں ۔ طاش کپری زادہ کے نزدیک یہ امتحان اس غرض سے ہونا چاہیے کہ غیر صحت مند بچہ تعلیم سے مسلح ہو کر کہیں مزید موجب فساد نہ بن جائے (بان العلم یصیر آلة یستعین بها فی الفساد) ۔ تعلیم میں متعلم کا باطنی (نفسیاتی) امتحان خاص الخاص نکتہ ہے اور ایک لحاظ سے جدید نفسیاتی تحلیل کے قریب معلوم ہوتا ہے ۔ مصنف نے تجزیۂ نفس کی ایک صورت یہ بتائی ہے (اور یہ شخصیت کے موروثی اثرات کے اصول پر مبنی ہے) کہ متعلم کے انتخاب کے وقت یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ ''اولاد السفلہ'' (کمینے لوگوں کی اولاد) تو نہیں ۔ اور وجہ یہ بتائی ہے کہ جب ایسا شخص پڑھ جائے گا تو موروثی جبلت کے تحت شرفاء کے خلاف زبان درازی کرے گا اور موروثی باطنی تعصب کی بنا پر اچھے لوگوں کی پگڑی اچھالے گا ۔

فاضل مصنف کی یہ بات قدرے درست بھی ہے اور مغرب میں آج کل بھی مخفی پیرائے میں اس قسم کے امتحان پر عمل ہوتا ہے — لیکن اس نقطۂ نظر پر اعتراض یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ تہذیب اخلاق کرے ، دلوں کی کدورتیں دور ہوں ۔ بنابریں سفلگان کے مہذب بن جانے کا بھی امکان ہے الا یہ کہ ہم اس خیال پر اصرار کریں کہ موروثی جبلتیں کبھی تبدیل نہیں ہوتیں ۔

مصنف نے قدرتی طور پر تعلیم میں اخلاص (یعنی حصول علم برائے رضائے الٰہی اور برائے علم) پر زور دیا ہے اور کہا ہے :

''التعلم لغیر الله حرام باطل و طلب العلم لا للعمل به ضائع (ج ۱ ، ص ۳۱)

اب ظاہر ہے کہ عمل کے ایک معنی ہیں دینی اخلاقیت پر عمل ، مگر دوسرے معنی بھی ہیں کہ اس سے زندگی کے تجربے میں صحیح کام لیا جائے ، طاش کپری زادہ کے نزدیک تعلم کا ایک وظیفہ تقلید العلائق الدنیویہ ہے ۔ لیکن مصنف نے جس حد تک اس پر زور دیا ہے مادیاتی نقطۂ نظر والے لوگ شاید اسے ناقابل عمل خیال کریں گے لیکن مسلم کلچر میں دنیوی تمتعات میں زیادہ انہاک سے اجتناب دراصل اس معاشی و معاشرتی فلسفے کی وجہ سے ہے کہ ہر انسان کو اپنی ضرورتیں اس لیے کم رکھنی چاہیے کہ وسائل ارضی سے دوسرے انسان بھی برابر کا فائدہ اٹھائیں ۔ قدیم زمانے میں اکثر اہل علم یکسوئی اور بے نیازی اختیار کرتے تھے تاکہ ان کے متعلمین

میں قربانی کا جذبہ اور ان میں بعید مسافتوں کو طے کرنے کی خطر طلبی اور حوصلہ پیدا ہو - یہ شاید اس قسم کی تلقینات کا نتیجہ تھا کہ طالب علم کے لیے مشرق سے مغرب تک کا سفر کرنا مشکل نہ تھا حالانکہ سفر کی سہولتیں بہت کم تھیں -

تعلم میں ترک الکسل (سستی و بے دلی) پر مصنف نے بہت زور دیا ہے اور تعلم الی آخر الامر کی تائید میں مشہور قول نقل کیا ہے ، من المھد الی اللحد (یعنی آدمی کو ہمیشہ سیکھتے رہنا چاہیے) - مصنف نے صحیح استاد کے انتخاب کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ معلم کے ہر حکم کی تعمیل متعلم کے آداب میں شامل ہے - استاد کا احترام اس حد تک فرض ہے کہ جب شاگرد استاد سے ملنے جائے تو دروازہ نہ کھٹکھٹائے، بلکہ انتظار کرے کہ وہ خود کب نکلتا ہے - تعلیم کے لیے خیر خواہ اور مشفق استاد کا انتخاب کرنا لازم ہے - یہ بحث دراصل استاد کے منصب کے متعلق ہے - مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ متعلم کتاب پر اور اپنے حافظے اور ذہانت پر اعتبار نہ کرے بلکہ سوال کرے اور بحث سے صحیح مطالب تک پہنچے - حضرت علی کا قول ہے العلم قفل و مفتاحہ السوال -

یہ بڑا قیمتی اصول ہے - اس سے آج کل کی زبان میں سیمینار اور ٹیوٹوریل کا تصور پیدا ہوتا ہے جس پر ابن جاعہ اور ابن خلدون نے بھی بڑا زور دیا ہے -

متعلم کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ استاد کی لغزشوں پر اس کو سختی سے نہ ٹوکے ، اسے معاف کر دے یا تاویل کرے - استاد کے آگے نہ چلے ، پیچھے چلے - کلام و گفتگو میں پہل نہ کرے لیکن اگر استاد کا حکم ہو تو پھر ٹھیک ہے - استاد کے سامنے زیادہ باتیں نہ کرے اور اسی طرح خود کتاب کی توقیر لازم ہے - نیز ایسا کوئی سوال نہ کرے جو استاد کو ملول کر دے- اس کے علاوہ اس کی اولاد کی توقیر کرے -

یہ تھا تعلیم کا وہ ماحول جس میں علم ایک الوھی عطیہ بن گیا تھا - طاش کپری زادہ نے مضامین (فنون) کے انتخاب کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ متعلم کو ایک خاص درجے تک جملہ متجانس علوم بیک وقت پڑھنے چاہئیں (جیسا کہ آج کل Integrated مرکب کورسوں کا تصور ہے) ، کیونکہ بقول مصنف :

"فان العلوم کلھا متعاونة مرتبطة بعضھا ببعض" (وھی کتاب ، ج ۱ ، ص ۲۴)

البتہ بعد میں چاہے تو تبحر (تخصص Specialisation) کسی ایک فن میں پیدا کر لے -

مصنف کی رائے میں جو علم بھی سیکھا جا سکتا ہو سیکھنا چاہیے - کسی علم کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے -

''ایاک ثم ایاک ان تستھین بشیء من العلوم'' (ایضاً ص ۲۴)

غزالی کی رائے کے برعکس ہمارا یہ مصنف علم مذموم کے تصور سے جزوی اختلاف کرتا ہے (جزوی اس لیے کہ آگے چل کر خود بھی فلسفہ خلاف الشرع وغیرہ کو مذموم کہتا ہے) - بہرحال علی الاطلاق اس کی رائے یہ ہے :

''ان العلوم و ان کان مذموماً فی نفسہ فلا تخلو تحصیلہ عن فائدۃ'' (ایضاً ، ص ۲۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام غزالی نے جن علوم کو مذموم کہا ہے ، ان کی مذمت کی بنا درست ہے کیونکہ بعض علم واقعی غیر مفید ہوتے ہیں ، ان کے بجائے متعلم مفید علوم کیوں نہ پڑھے - بعض مذموم علوم ایسے ہیں جو زندگی میں یقین کے بجائے شک پیدا کرتے ہیں ، اس سے بے عملی پیدا ہوتی ہے اور خدا کے یقین اور ایمان کو گزند پہنچتا ہے — تاہم یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جب تک کچھ لوگ ان علوم کو پڑھیں گے نہیں ان کی کمزوریوں سے باخبر کیسے ہوں گے ؟ لیکن عمومی طور سے ان کی حوصلہ شکنی ہی صحیح طریق کار ہے -

طاش کبری زادہ کا خیال ہے کہ علوم کے ہر سلسلے میں ایک فطری ترتیب ہوتی ہے - متعلم کا فرض ہے کہ قدرتی ترتیب یعنی سہل سے پیچیدہ و مشکل کی طرف بڑھے یا مختلف علوم میں اہم کی طرف پہلے توجہ کرے ، غیر اہم کی طرف بعد میں - تدریج سے کام لے اور ترتیب کے بارے میں استاد کی رائے پر عمل کرے -

کبری زادہ کی رائے میں اہم علوم وہ ہیں جو معرفت ایزدی پیدا کریں اور دینی فوز و فلاح اور سعادت کے حصول کا ذریعہ بنیں - یقین و ایمان کو قوی کریں اور تشکیک اور بے عملی کا ازالہ کریں - مصنف کی رائے میں حکمت و فلسفہ کا ایک حصہ بالکل مناسب ہے، بشرطیکہ اس کے ذریعے شریعت کی تائید مقصود ہو اور عملی مقاصد زندگی میں معاون ثابت ہو - ورنہ علوم حکمیہ فکریہ تشکیک پیدا کرتے ہیں -

علم مذاکرہ و مناظرہ کے بارے میں رائے یہ ہے کہ یہ اگر مشاورت (تحقیق حق) کے لیے ہو تو مضایقہ نہیں بلکہ ضروری ہے، لیکن اگر مفاخرہ اور تعصب انگیزی کے لیے ہے تو مکروہ ہے -

طاش کبری زادہ کے نزدیک علم و تعلیم کی غایت معرفت الٰہی ہے جو غایت الغایات ہے ، اور ''رئیس جمیع السعادات'' اور سبب فوز و نجات ہے ، نہ کہ وجہ تفاخر و تعلی - لہذا متعلم کو علم کے شرف اور غایت کا واضح تصور ہونا چاہیے - مصنف کی ایک ہدایت متعلم کے لیے یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑو -

اب رہے معلم کے اوصاف و فرائض تو وہ مصنف کے نزدیک دس ہیں :